© rasailojaraid.com

دوسرا توسیعی لیکچر

اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید کا دیباچہ

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

خطبات کے دیباچہ میں حسب ذیل نکات غور طلب ہیں۔

۱۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے "تصور" سے زیادہ "عمل" پر اصرار ہے۔

۲۔ یہ کائنات انسان کے لئے اجنبی یا بیگانہ ہے۔

۳۔ حسِ باطنی کے ذریعہ حقیقت کائنات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

۴۔ کچھ لوگ بہ اعتبار اپنی ساخت کے حسِ باطنی کے اہل نہیں ہوتے۔

۵۔ انجام کار مذہبی یقین کا انحصار باطنی واردات پر ہوتا ہے۔

۶۔ جدید ذہن کی CONCRETE HABIT OF THOUGHT کیا ہے؟

۷۔ مسلم ذہن کی CONCRETE HABIT OF THOUGHT کیا ہے؟

۸۔ مسلمانوں میں محسوس کو حقیقت سمجھنے کے باوجود تصوف کی نشو و نما۔

۹۔ مسلم متصوفین نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

۱۰۔ مسلم معاشرے میں مذہبی واردات کی صورت کب اور کیوں پیدا ہوئی۔

۱۱۔ نفس انسانی میں کیا احتیاج ہے؟

۱۲۔ معاشرے میں کیا احتیاج ہے؟

۱۳۔ ثقافت میں کیا احتیاج ہے؟

۱۴۔ عصر حاضر کے مسلمان صوفی کیوں بے اثر ہو گئے۔

۱۵۔ عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق مذہبی واردات کا سہل الوصول طریقہ کیا ہو؟

۱۶۔ SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے؟

۱۷۔ کیا سائنس فلسفہ اور مذہب میں ہم آہنگی سے یہ ضرورت پوری ہو جائے گی؟

۱۸۔ ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفسٍ واحدہ کی تجربی توثیق و شہادت کیسے میسر آئے گی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- ۱۹۔ کلاسیکی طبیعات کے تصورات کیا ہیں ؟
- ۲۰۔ جدید طبیعات نے ان تصورات میں کیا تبدیلی پیدا کی ہے ؟
- ۲۱۔ اس تصرف سے سائنس اور مذہب میں کیا ہم آہنگی پیدا ہوگی ؟

مذکورہ نکات کی وضاحت اور ان سے متعلق سوالات کے ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف ایک بیان کی صورت میں کسی حقیقت کی وضاحت کرنے سے علم میں یکسانی کا نمونہ یعنی UNIFORM PATTERN OF KNOWLEDGE اور اشتراک فی العلم COMMUNITY OF KNOWLEDGE کا پیدا ہونا بغیر منہاج METHOD کے ممکن نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ مذہبی واردات کو سمجھنے کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ منہاج کیا ہے ؟

منہاج یا METHOD

کسی مسئلے کو حل کرنے کا طریقہ منہاج یا METHOD کہلاتا ہے۔ منہاج کے دو جزو ہیں۔

(۱) بنیادی اصول

(۲) مسئلے کو حل کرنے کا عمل PROCEDURE علم ایک ارتقا پذیر لہٰذا تغیر پذیر قدر ہے اور علم (فلسفہ) کے منطقی تدریج میں تین درجے ہیں :

۱۔ اثبات THESIS عقلیت کی سطح پر اصول یہ ہے کہ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جو حقیقت کماہی کے علم کا ذریعہ ہے۔ یہ موقف عقل کے ذریعہ علم حقیقت ہونے کے باب میں لامحدود یقین کا موقف ہے اور اس موقف سے بطور نتیجہ جو قضیہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صرف "معقول" ہی حقیقت ہے۔

اس اصول کو تسلیم کرنے کے بعد عمل یہ ہے کہ کسی تصوّر کا تجزیہ کر کے جو اجزا برآمد ہوں اُن کو ملا کر ایک قضیہ علمیہ کی شکل دی جائے۔ جیسے "جسم" تحیز (لمبائی چوڑائی موٹائی) اس سے قضیہ کلیہ یہ بنے گا کہ تمام اجسام متحیز ہیں"۔ منطق کی زبان میں یہ قضیہ، قضیۂ تحلیلیہ کہلائے گا۔ علمی شعور کی نشو و نما کے مدارج کی روشنی میں یہ قضیۂ "علم" نہیں ہو سکتا۔

علم کی نشو و نما کی منطقی تدریج کے لحاظ سے دوسرا درجہ نفی، ANTI THESIS کا درجہ ہے اور حسیت کہلاتا ہے۔ "حسیت" (EPIRICISM) کا اصول یہ ہے کہ عقل نہیں صرف حواس ہی ذریعہ علم حقیقت ہیں اور یہ موقف عقل نظری کے ذریعہ علم حقیقت ہونے کی نسبت لامحدود بے یقینی کا موقف ہے اور حسیت کے اصول کے تحت مشاہدہ ہی مسئلے کو حل کرنے کا عمل ہے مگر جو قضیہ ادراک بالحواس کے ذریعہ مدون ہوگا وہ یقینی نہیں ہو سکتا۔

علمی نشو و نما کی اعلیٰ ترین سطح پر سب سے زیادہ ترقی یافتہ منہاج تنقیدی منہاج CRITICAL METHOD

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس کا عمل PROCEDURE یہ ہے کہ جستجو کی ابتدا ناظر کی جانب سے ہوتی ہے۔ اگر جستجو کا موضوع فلسفہ ہو تو بنیادی اصول یہ ہوگا کہ فلسفی کے فلسفیانہ شعور کے حوالے سے فلسفے کو سمجھنا ہوگا۔ اور اگر جستجو کا موضوع شعر ہو تو کسی شاعر کے شعور شعری کے حوالے سے سمجھنا صحیح ترین اصول ہوگا اور مذہب کی حقیقت سمجھنا ہو تو صاحب مذہب کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش صحیح ترین اصول ہوگا اور صوفیانہ واردات MYSTIC EXPERIENCE کو سمجھنے کے لئے صوفیانہ شعور (MYSTIC CONSCIOUSNESS) کے حوالے سے غور کرنا صحیح طریق کار ہوگا۔ تنقیدی منہاج CRITICAL METHOD کی رو سے سمجھنے کا عمل (PROCEDURE) چار مدارج پر مشتمل ہوگا۔

تمیز DISTINCTION — تعین DETERMINATION

تضمن DETERMINATION — حدود صحت کا تعین IMPLICATION

(۱) **تمیز** DISTINCTION کے مرحلے پر مذہبی واردات اور خرق عادت واقعات میں امتیاز۔ مذہبی واردات اور اخلاقی فضائل میں امتیاز۔ مذہبی واردات اور مابعد الطبیعی حقائق کی نسبت قضایا کی تشکیل میں امتیاز۔ صوفیانہ واردات (ولایت) اور پیغمبرانہ واردات (نبوت) میں امتیاز۔

(۲) **تعین** DETERMINATION مذہب کی اصلی حقیقت انسان اور خدا کے درمیان عبودیت کی نسبت ہے۔ اس نسبت کے بلاواسطہ ادراک کا نام مذہبی واردات RELIGIOUS EXPERIENCE

(۳) **تضمن** IMPLICATION یعنی وہ شرائط جن کے پورا ہونے پر کسی فضیلت (VALUE) کے واقعہ بننے اور اس کی صحت کا انحصار ہے۔

(ا) ہستی باری تعالیٰ کا اقرار۔

(ب) سالک میں نسبت کے بلاواسطہ ادراک کی طلب۔

(ج) سالک میں وہ استعداد جس سے اس نسبت کا ادراک ہو سکے جسے صوفیا وجدان INTUTION سے تعبیر کرتے ہیں۔

(د) اس نسبت کا وجدان کے ذریعہ قابل ادراک ہونا، اب غور طلب یہ ہے کہ "وجدان INTUTION کیا ہے کیونکہ اسی سوال کے جواب پر مذہبی واردات کی صحت کے حدود کا تعین منحصر ہے۔

وجدان: دراصل وجدان ایک باطنی حس ہے جو تین طرح کے واقعات کو پانے کا ذریعہ ہے۔

(۱) وہ زمانی و مکانی واقعہ یعنی SPATIO-TEMPORAL EVENT جو بہ اعتبار مکان کے غائب ہو جیسے کراچی میں رونما ہونے والا واقعہ جو بغیر کسی محسوس ذریعہ علم کے کسی صاحب وجدان پر لاہور میں منکشف ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) وہ زمانی و مکانی واقعہ جو بہ اعتبار "زمان" کے غائب ہو یعنی مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والا جو کسی صاحبِ کشف پر ایک عرصہ پہلے منکشف ہو جائے۔

(۳) ایسی باطنی کیفیت جسے کسی صاحب کیفیت نے بیان نہ کیا ہو۔ اور وہ کیفیت بغیر بیان ہوئے کسی صاحبِ باطن پر منکشف ہو گئی ہو۔

ایسے کشف و وجدان کے شواہد اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ ان کی صحت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا مگر (۱) باری تعالیٰ کا مشاہدہ اور (۲) باری تعالیٰ کے ساتھ کسی سالک کی نسبت کا ادراک جو صاحبِ نسبت کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں دو چیزیں ہیں۔

حواس کے ذریعہ ادراک کے بغیر واقعات کا ادراک جیسے بہ اعتبار مکان "غائب" کا ادراک یا بہ اعتبار زمان غائب کا ادراک یا بغیر بیان میں آئے ہوئے کسی کی باطنی کیفیت کا ادراک یا کسی سالک کے اپنے ہی باطن میں باری تعالیٰ سے نسبت کا ادراک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وجدان حواس کے بغیر بھی ذریعہ علم ہے جس کی توثیق انجام کار حواس ہی کی قوت سے ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ جن حقائق کے تعلق میں حواس استعمال ہو ہی نہ سکتے ہوں وجدان اُن کے علم کا بھی ذریعہ ہے یعنی ماوراتی حقائق کے علم کا ذریعہ تو یہ صرف آرزو ہو سکتی ہے اگر وجدان کو ماورائی حقائق (وجود الوسنت اور آخرت) کے ادراک کا ذریعہ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس کا ذریعہ بھی وجدان ہی کو تسلیم کر لیا جائے تو پیغمبرانہ وحی کی احتیاج ساقط ہو جائے گی اور یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

(۴) مذہبی واردات کی صحت کے حدود یہ ہیں کہ کسی صاحب باطن کا کشف و الہام کسی کے لئے بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ خود صاحب واردات کے لئے اس کے اپنے کشف و الہام کے خود اس کے لئے بھی حجت ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ اس طرح سند کی حیثیت کتاب و سنت ہی کی رہتی ہے۔ کشف و الہام سند نہیں بن سکتے۔ کیونکہ غیر نبی کا کشف و الہام احتمالِ خطا سے پاک نہیں۔

مگر اس کے باوجود کہ تنقیدی منہاج CRITICAL METHOD سب سے زیادہ ترقی یافتہ منہاج ہے علامہ اقبال نے حسی منہاج IMPIRICAL METHOD کو اس لئے ملحوظ رکھا ہے کہ وہ الزامی کے جواب کے طور پر حسیت EMPIRISTCISM سے مرعوب ذہنوں کو یہ باور کرا سکیں کہ حسیت کی بنیاد پر بھی اسلام کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے جدید مغربی فکر سے مرعوب ذہن کو اپنے موقف کی صحت کو باور کرانے کے لئے ایسے لوگوں کو بطور سند کے پیش کیا جن کے افکار کو ہمارا مغربیت زدہ طبقہ سند سمجھ سکتا۔ مثلاً BERGSON

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

EDINGTON, WHETEHEAD, چاہے مذہب کے باب کسی کی رائے بھی استناد کے لائق نہ ہو سکتی تھی۔

خطبات کے دیباچے میں جن نکات کی طرف علامہ اقبال نے اس لئے توجہ منعطف کرانے کی سعی فرمائی ہے کہ انہیں خطبات کے دوران زیر بحث آنے والے موضوعات کے ضمن میں ملحوظ رکھا جائے۔ ان کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

(۱)

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جسے فکر سے زیادہ عمل پر اصرار ہے

قرآن مجید کو فکر سے زیادہ عمل پر اصرار اس لئے ہے کہ وہ انسانی نصب العین کے حاصل کرنے کے لئے ہدایت مہیا کرتا ہے یعنی اس کا جواب کہ خوف وغم سے محفوظ معاشرہ کیسے وجود میں لایا جائے یعنی وہ شرائط کیسے پوری ہوں گی جن پر اس نصب العین کا حصول منحصر ہے۔ ان ہی شرائط میں سے ایک شرط، وجود باری تعالےٰ ہے، وجود باری تعالیٰ انسان کی مثالی جدوجہد میں کامیابی کے لئے ہدایت اور مدد کا سرچشمہ ہے۔ جب تک وجودِ باری تعالیٰ مابعد الطبیعی قضیئے کے مصداق کی حیثیت سے متصور ہوتا رہے گا۔ زندگی پر اقرار وجود باری کا وہ اثر مرتب نہ ہوگا جو انسان کی فلاح و کامیابی کی شرط کی حیثیت سے مان کر ہوگا۔ اور جب تک ہمیں عملی جدوجہد میں کامیابی کی شرط پر خدا اور اس کی ہدایت (قرآن) کی احتیاج محسوس نہ ہوگی صرف مابعد الطبیعی قضیئے کہ مصداق کے طور پر وجود باری تعالیٰ کے اقرار سے ہمیں کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچے گا۔

انسانی فکر کی نشوونما کے مدارج عقلیت، حسیت اور تنقید ہیں۔ تنقید کے منفی نتائج پر پہنچنے کے بعد انسانی ذہن پر عقل عملی کے تقاضے منکشف ہوں گے اور تب ہی خدا طلبی کا تقاضا بیدار ہوگا۔

(۲)

کیا یہ کائنات انسان کے لئے اجنبی یا بیگانہ ہے؟

جب تک انسان کائنات کی طرف شعور نظری کے تقاضے کے تحت متوجہ ہوتا رہے گا یہ کائنات پوری طرح سمجھ میں آنے تک اجنبی اور بیگانہ ہی رہے گی مگر جہاں تک انسانی جدوجہد کے ساتھ سازگاری کے اصول پر اس کے عدم محض سے تخلیق کئے جانے کا تعلق ہے سخر لکم ما فی السموات والارض کے حوالے پہ بالقوہ مسخر کر دی گئی ہے اور اس کائنات کی تسخیر بتدریج میسر آتی ہے۔

(۳)

© rasailojaraid.com

حس باطنی کے ذریعہ حقیقت کائنات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

حس باطنی INNER EXPERIENCE کے ذریعہ مذہبی واردات RELIGIOUS EXPERIENCE کو سمجھا جاسکتا ہے۔ مذہبی واردات دراصل بندے اور خدا کے درمیان نسبت کو جو مذہب کی اصلی حقیقت ہے۔ براہ راست سمجھنے کا نام ہے۔ اس واردات میں اس تعلق کے حوالے سے جو بندے کو خدا سے اور خدا کو بندے سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی نسبت تجربی توثیق کی بنا پر یقین حاصل ہوتا ہے۔

(۴)

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بہ اعتبار اپنی ساخت کے حس باطنی کے اہل نہیں ہوتے (INNER EXPERIENCE)۔ مذہبی یقین کا سب انسانوں کیلئے حجت ہونا یعنی مذہبی یقین کا UNIVERSALLY BINDING ہونا اسی صورت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے جب فمن شاءَ فلیومن ومن شاءَ فلیکفر (پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے) کے حوالے ایمان اور کفر انسان کے ارادے سے سرزد ہوتا ہو۔ اس لئے یا تو یہ تسلیم کرتا ہوگا کہ مذہبی یقین کا مدار مذہبی واردات پر نہیں۔ یا یہ موقف غلط ہوگا کہ بعض لوگ اپنی عضوی ساخت ORGANIC STRUCTURE کے اعتبار سے حس باطنی کی اہلیت نہیں رکھتے اور اس بات کا غلط ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ تقویٰ اور فجور کا امتیاز الھمھا فجورھا وتقوھا کے حوالے سے نفس انسانی میں ودلیعت کر دیا گیا ہے اور الست بربکم قالو بلیٰ کے حوالے سے ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں ودلیعت کر دیا گیا ہے یہ ممکن ہے کہ بعض موثرات کے سبب یہ استعداد قوت سے فعل کی طرف نہ آتی ہو۔

(۵)

مذہبی یقین RELIGIOUS FAITH کا انحصار انجام کار مذہبی واردات پر ہے۔

ایمان اور علم دونوں قضیئے JUDGMENT کی حیثیت رکھتے ہیں مگر علم ایسا قضیہ ہے جو محکوم SUBJECT اور محکوم بہٖ PREDICATE کے درمیان ایسے رابطے پر مشتمل ہو جس کا ادراک حواس اور عقل کے ذریعہ ہوا ہو۔ اور ایمان ایسا قضیہ ہے جس میں محکوم اور محکوم بہٖ کا ربط عملی مصالح پر مبنی ہو۔ اور ان دونوں قضیوں میں ایک اور امتیاز یہ ہے کہ قضیۂ علمیہ کی تائید انسان کی عقل اور اس کے حواس کرتے ہیں اور ایمان جس قضیۂ پر مشتمل ہے اُسے جذبے ارادے اور ادراک انسانی شعور کے تمام پہلوؤں کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

اب ایمان کی دو حیثیتیں ہیں ایک وہ ایمان ہے جس کی طرف اشارہ اس آیۃ پاک میں ہے انتم الاعلون ان کنتم مومنین جو عملی جدوجہد کی بنیاد ہے اور دوسری حیثیت رسوخ فی الایمان کی ہے جو جدوجہد میں کامیابی سے راسخ ہوتا ہے مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی پہلے سے یقین اتنا پختہ ہے کہ پردہ ہٹ جانے سے یعنی غیب کے مشہود بن جانے پر بھی یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی واردات پر مذہبی یقین کا انحصار ہے کیونکہ حضرت مجدّد الف ثانی نے سیر سلوک کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان رسمی ایمان حقیقی میں اور ایمان تقلیدی، ایمان تحقیقی میں اور ایمان بالغیب ایمان شہودی میں ایمان استدلالی ایمان کشفی میں تبدیل ہوجائے مگر اس بات سے بھی صرف نظر کرنا مناسب نہیں کہ مذہبی واردات کا انحصار مذہبی یقین پر ہے۔ یہ یقین میسر نہ ہو تو حصول واردات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۶)

دورِ جدید کے ذہن کی فکرِ مرکب کی عادت CONCRETE HABIT OF THOUGHT کیا ہے؟

عینیت EMPIRICISM کے اصول پر غور کرنے والوں کا یہ اندازِ فکر کہ صرف حواس ذریعۂ علم حقیقت ہیں۔ اور صرف محسوسات حقیقت ہیں وہ اندازِ فکر ہے جسے علامہ اقبال "فکرِ مرکب کی عادت" سے تعبیر کرتے ہیں، جدید ذہن اپنے اس اندازِ فکر کی بنا پر باطنی حس کے ذریعۂ علم حقیقت ہونے کا انکار اس وجہ سے کر دیتا ہے کہ حس باطنی میں احتمال خطا موجود ہے۔ مگر یہ انکار اس لئے صحیح نہیں کہ ادراک بالحواس میں بھی احتمال خطا پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود حواس ظاہری کے ذریعہ علم حقیقت ہونے کا انکار تو نہیں کیا جاتا، تو یہ بات کیسے روا ہوسکتی ہے کہ حس باطنی میں احتمال خطا ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعہ علم حقیقت ہونیکا انکار کر دیا جائے۔

(۷)

مسلم ذہن کی فکرِ مرکب کی عادت CONCRETE HABIT OF THOUGHT سے کیا مراد ہے؟

مسلم ذہن کا یہ اندازِ فکر یہ ہے کہ وہ حواس کو ذریعۂ علم حقیقت سمجھتا ہے اور محسوسات کو حقیقت سمجھتا ہے۔ لیکن حواس کے علاوہ دوسرے ذرائع علم کا اور ورائے محسوسات کے حقیقت ہونے کا انکار نہیں کرتا۔ اس طرز فکر کو علامہ اقبال مسلم ذہن کی فکرِ مرکب کی عادت سے تعبیر کرتے ہیں۔

جدید ذہن اور مسلم ذہن کی فکرِ مرکب کی عادت میں فرق یہ ہے کہ جہاں مسلم ذہن حواس کو ذریعہ علم اور محسوسات کو حقیقت سمجھتا ہے وہاں وجدان اور عقل کے بھی ذریعۂ علم ہونے کو تسلیم کرتا ہے اسی لئے مسلمانوں میں محسوسات کو حقیقت سمجھنے کے باوجود تصوف کی نشو ونما ہوسکی۔

(۸)

© rasailojaraid.com

مسلمانوں میں تصوف کی نشو ونما اس لئے ہوسکی کہ بخلاف جدید مغربی ذہن کے مسلمان صرف حواس ہی کو ذریعہ علم اور صرف

© rasailojaraid.com

محسوسات ہی کو حقیقت سمجھتے تھے بلکہ حواس کے علاوہ عقل اور وجدان کے ذریعۂ علم ہونے کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ اس لئے وجدان کو ذریعۂ علم حقیقت مان کر حقیقت کے نظریہ کی تشکیل کی جدوجہد کی۔

— ۹ —

مسلمان متصوفین نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

مذہبی تصور کی نمائندگی دو طبقے کرتے تھے صوفیا اور علما۔ ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ صوفیار کا مسلک ہی ایسا تھا کہ زندگی کے باہمی تضاد، نفرت اور دشمنی کی طوفان بدوش موجیں اس کی کشتی میں بیٹھنے والوں کو غرق نہ کر سکتی تھیں۔ علمار جن رسوم و اطوار کا ذوق رکھنے کی بنا پر گروہ بندی کے بھنور میں پھنستے چلے گئے تھے صوفیا ایک ہی جست میں اس سے باہر نکل گئے تھے۔ رسوم و اطوار کی پابندی صوفیار بھی کرتے تھے مگر انہیں زندگی کی بنیادی سچائیوں سے کبھی ٹکرانے کے قابل نہ ہونے دیا۔ مذہبی علوم ان میں سے بہت کم حضرات ہی کے حصے میں آسکے تھے مگر پیغمبرانہ روح اس کی بنیادی تعلیم اور اس کے ہموار نظام زندگی کا کوئی گوشہ زد سے باہر نہ جا سکا۔ رند سبو بدوش ہو یا مذہبی رسوم کا پابند، مسلمان ہو یا کافر، غریب ہو یا امیر سب ہی کو انہوں نے اپنا بھائی سمجھا۔ سب ہی کی معاشی الجھنوں میں سہارے دیئے اور سب ہی کی کمزوریوں کو اپنی کمزوریوں کے برابر سمجھا۔ اپنی تخیلی طاقتوں کو انہوں نے کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ انہیں انفرادی زندگی کی گوناگوں مشکلات حل کر سکنے کے لئے مفید بنا لیا۔

خاص طور پر برعظیم پاک و ہند میں صوفیار کا نیا نظام فکر نہ ہوتا تو معاشرتی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والا ہندوستان بہت بڑی سہولت سے محروم رہ جاتا۔ جس طرح مسلمان صوفیار کے گرد جمع ہوتے ان کے احکام کی تعمیل کرتے اور اُن کی جان نثاری پر فخر کرتے ایسے لاکھوں ہندو بھی اُن کے گرد پروانہ وار گردش کرتے نظر آتے۔ صوفیار نے تضاد اور نفرت سے بھری ہوئی دنیا کو محبت اور خدمت کا پیغام دیا اور یہاں تک کامیاب ہوئے کہ معاشرتی زندگی میں کوئی سوسائٹی ان سے بازی نہ لے جا سکی۔ صوفیار کرام اگرچہ بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے بظاہر الگ ہی معلوم ہوتے تھے۔ لیکن وہ اپنی تاریخ میں سب سے زیادہ منظم اور سب سے زیادہ بیدار طاقت بنے رہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ سیاسی تضاد کے باوجود متحدہ تمدن کی پڑتی چلی گئی۔ آج ہر شخص متحدہ انسانیت کی ستائش میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جن ناگوار حالات میں صوفیائے کرام یہ مشکل فرض انجام دیتے رہے۔ اس کا اندازہ کر سکنا بھی ہم لوگوں کے لئے آسان نہیں۔ سجادہ و دلق ہی کی بنیادوں پر امتیازی پوزیشن دے سکنے والی سوسائٹی میں "طریقت بجز خدمت خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست" کا نعرہ لگانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، صوفیار کی پاکیزہ دل اور پاکیزہ کردار سوسائٹی نے وہ سب کچھ کیا جس کی آئیڈیل سوسائٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مثالی معاشرہ) سے توقع کی جاسکتی تھی۔

(۱۰)

مسلم معاشرے میں مذہبی واردات کی ضرورت۔

واردات کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انفرادی زندگی میں علم اعتقاد اور عمل کے متضاد ہوجانے کی وجہ سے سیرت میں اختلال پیدا ہوجائے اور اسے پھر سے منضبط کرنا ضروری ہو۔ یہ اختلال ہر دور میں مختلف موثرات کی بنا پر پیدا ہوتا ہے اور کسی دور کے اختلال کا مداوا دوسرے موثرات سے پیدا ہونے والے اختلال کا سبب علم اور عقیدے کا تضاد ہوتا ہے۔ کبھی عقیدے اور عمل اور کبھی علم اور عمل کا۔ اور کبھی اوامر ونواہی کے اتباع میں خلوص کے فقدان کے باعث پیدا ہوتا ہے کبھی دولت کی فراوانی کے باعث اور کبھی افلاس کی بنا پر۔ کبھی سیاسی اسباب کے نتیجے میں اجتماعی نظام اور انفرادی آرزوؤں کے درمیان تصادم کے باعث۔

(۱۱)

نفس انسانی میں مذہبی واردات کی کیا احتیاج ہے؟

نفس انسانی کے دو پہلو ہیں ایک شعور دوسرا لاشعور شعوری سطح جبلی داعیات طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضوں پر مشتمل ہے اور انسان کی بالفعل فطرت کی حیثیت رکھتی ہے اور لاشعور انسان کی بالقوہ فطرت ہے جو نشو ونما نہ پائے تو اس کا عدم وجود برابر رہتا ہے۔ یہ بالقوہ فطرت تقویٰ اور فجور کے امتیاز، ذمہ داری کے احساس، نفس کی بصیرت، ربوبیت کے اقرار پر مشتمل ہے جو نشو ونما پاکر ایک زندہ طاقت بنے تو انسان کمال پر فائز ہوتا ہے۔ عام حالات میں اس پہلو کی نشو ونما بغیر مذہبی واردات کے حصول کی جدو جہد کے نہیں ہوسکتی۔

(۱۲)

معاشرے میں مذہبی واردات کی کیا احتیاج ہے؟

معاشرہ بہرصورت ایسے افراد کے مجموعے سے عبارت ہے جن میں یکسانی کردار کی بنیاد پر عمرانی وحدت کا شعور پایا جائے۔ جن اعمال کی بدولت افراد میں یکسانی کردار پیدا ہوتا ہے۔ ان میں خلوص پیدا کرنے کے لئے طریقت درکار ہے۔

معاشرے کے تمام ادارات افراد ہی پر مشتمل ہوتے ہیں اگر افراد کا عمل اوامر ونواہی کے تابع ہوگا تو ادارے اپنا وظیفہ منظم طور پر ادا کرسکیں گے۔ اس لئے احکام کی بجا آوری میں اخلاص پیدا ہوگا تو عمرانی اداروں کی صحتمندی برقرار رہے اور یہی وہ احتیاج ہے جو طریقت سے پوری ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

12

(۱۳)

ثقافت میں مذہبی واردات کی کیا احتیاج ہے؟

ثقافت دراصل معمول ہے دین سے پیدا ہونے والے فضائل پر مشتمل ہے یہ فضائل ایک ورثے کی حیثیت رکھتے ہیں جسے پرانی نسل نئی نسل کو منتقل کرتی ہے۔ ثقافت منتقل ہونے کے تین مدارج ہیں پہلے تحصیل، RECEPTION پھر تفصیل TRANSMISSION پھر تفویض MANIPULATION یہ تینوں عمل بغیر مذہبی واردات کے حصول کی جدوجہد کے بہ احسن وجوہ انجام نہیں دیئے جا سکتے۔

(۱۴)

عصرِ حاضر کے مسلمان صوفیاء کیوں بے اثر ہو گئے؟

اکابر صوفیاء نے جو ذمہ داری دورِ وسطیٰ میں ادا کی تھی وہ مسلم معاشرے کی صالح قیادت پیدا کرنے کی ذمہ داری تھی۔ اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کے زیرِ اثر جو تقسیم کار وضع کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت سلاطین کے ذمہ۔ قانون سازی علماء کے ذمہ اور تزکیہ اور روحانیت صوفیاء کے ذمے۔ جب تک سلاطین کی قوت سے اسلام کا غلبہ برقرار رہا۔ قانون سازی اور تزکیے اور روحانیت سے نتائج پیدا ہوتے رہے کیونکہ سلاطین کی قوت کی بدولت اسلامی قانون کو قوت نافذہ کی پشت پناہی میسر رہی اور قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے میں اخلاص کی احتیاج صوفیاء کے اثر سے پوری ہوتی رہی۔

مگر جب مسلمان اقتدار سے محروم ہوئے اور اسلامی قانون قوت نافذہ کی پشت پناہی سے محروم ہو تو زندگی کے تمام تقاضے (معاشرتی معاشی سیاسی ثقافتی تعلیمی) لادینی SECULAR نظام سے پورے ہونے لگے اور عقیدے کا اثر معاشرت، معیشت سیاست ثقافت اور تعلیم پر باقی نہ رہنے کے نتیجے میں عقیدہ وہم MYTH بن کر رہ گیا۔ اور عبادات کا کوئی اثر زندگی کے کسی پہلو پر باقی نہ رہنے سے عبادات رسوم و اطوار پر RITUALS میں تبدیل ہو گئیں۔

موثرات حیات یعنی علم، مذہب معاشرت معیشت سیاست ثقافت اور تعلیم کے بدل جانے سے اصلاح زندگی کی ہر وہ تدبیر بے اثر ہو گئی اور جب مذہب کا تعلق معاشرت، معیشت سیاست ثقافت اور تعلیم سے منقطع ہو گیا تو مذہب انفرادی نجی ذاتی شخصی باطنی زندگی کا معاملہ ہو کر رہ گیا۔ محرکات عمل میں اخلاص باللہ کا سوال ہی سرے سے نابود ہو گیا اور جن اسباب کی بنا پر سیرت میں اختلال پیدا ہو رہا تھا ان کے یکسر بدل جانے سے ہر وہ تدبیر جس کے ذریعہ دورِ ماقبل میں اختلال کا تدارک ہو رہا تھا بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی اور دورِ حاضر کے مسلمان صوفیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلے کو حل کرنے کے سے یکسر عاجز رہے کہ جس قوم کی سیاست معیشت اور تعلیم پر دشمنوں کی گرفت شدید ہوگئی ہو وہ دشمنوں کی گرفت سے کیونکر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔

13

(۱۵)

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق مذہبی واردات کا سہل الوصول طریقہ کیا ہو؟

(۱۶، ۱۷)

SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE جس کا مطالبہ نئی پود کرے گی اور ماخلقکم ولابعثکم الا کنفس واحدہ کی تجربی توثیق اور شہادت کیسے میسر آئے گی؟

دراصل یہ تینوں مسائل ایک ہی مسئلہ ہیں مگر یہ بات ہماری سمجھ میں اس وقت آئے گی جب ہم یہ سمجھ لیں کہ SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے؟ اور بہت ہی سہل الوصول طریقے کا تعین ہوسکے گا۔ لہٰذا سوالات کی ترتیب یہ ہوئی کہ

(۱) SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے۔

(۲) SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے۔

(۳) وماخلقکم ولابعثکم الا کنفس واحدہ کی تجربی توثیق اور شہادت کیسے میسر آئے؟ یعنی عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق مذہبی واردات کے حصول کا آسان طریقہ کیا ہو؟

SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے؟

دراصل ہر سائنس کے ایک منظم اور مُدوّن علم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ایک موضوع ہو۔ دوسرے علوم کے موضوعات سے متمیز۔ اس موضوع کو سمجھنے کے لئے کچھ سوالات ہوں جو اس سائنس کا مسئلہ کہلائیں گے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی طریقہ یا منہاج ہو یعنی مسئلے کو حل کرنے کا عمل PROCEDURE ہو تاکہ سب سمجھنے والے اُس مسئلے کے ایک ہی حل تک رسائی حاصل کریں۔ نیز یہ کہ ہر سائنس اس لحاظ سے ایک محدود علم ہے کہ وہ اپنی جستجو کو منتہائے فکر انسانی تک نہیں لے جاسکتی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر سائنس کے کچھ مسلمات ہوں جنہیں بغیر تنقید کے تسلیم کرلیا ہو۔ اور چونکہ ہر سائنس کا اہم ترین وظیفہ توجیہہ ہے اور توجیہہ کے تین مدارج ہیں ایک تجزیہ ANALYSIS جو ایسے علوم میں کارآمد ہے۔ جن کی نشوونما ابھی پوری طرح نہیں ہوسکی۔ دوسرے تنظیم یا SUBSUMPTION جس کے لئے مقولات CATEGORIES یعنی بعض سیاسی تصورات ضروری ہیں تاکہ مشاہدے سے جمع کئے ہوئے مدلولات کو ان بنیادی تصورات کے تحت منظم کیا جاسکے۔ تیسرے تعلیل یعنی CAUSAL EXPLANATION جس کے لئے ایک ایسا مفروضہ HYPOTHESIS ضروری کہ وہ ثابت کردیا جائے تو اصول توجیہہ PRINCIPLE OF EXPLANATION بن جاتے۔ اس توجیہہ سے کچھ عملی فوائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی برآمد ہوتے ہیں۔ یہ سائنس کے وہ اثرات ہیں جو عملی زندگی میں کارآمد ثابت ہوئے ہیں SCIENTIFIC KNOWLEDGE کے ان لوازم کو طبیعات PHYSICS کے حوالے سے سمجھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ طبیعات کا موضوع مادی مظاہر ہیں ان کا وجود تسلیم کیا جائے تو ان کا علم حاصل ہو سکے گا۔ مثلاً اجسام مادی ان کی نسبت مسئلہ یہ ہوگا کہ مادی جسم حرکت کیسے کرتا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کا طریقہ مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ طبیعات کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ مظاہر طبیعی (مدرکات) کو مشاہدے سے جمع کرے۔ پھر ان کی گروہ بندی CLASSIFICATION کرے۔ مثلاً ٹھوس SOLID سیال LIQUID اور بخارات GASSES میں اور تیسرے ان کی توجیہہ کرے۔ توجیہہ کے لئے جو مقولات ہیں وہ یہ ہیں :

مادہ بحیثیت جوہر SUBSTANCE خواص PROPERTY مقدار QUANTITY

علت CAUSE معلول EFFECT حرکت MOVEMENT مکان SPACE زمان TIME ۔

قوت KINETIC POTENTIAL FORCE عدد NUMBER

وحدت UNITY اور تعلیل کے لئے جو مفروضہ طبیعات کا ہے وہ میکانی علیت کا مفروضہ HYPOTHESIS MECHANICAL CAUSATION ہے کہ جسم اپنی جگہ ساکن ہے اور صرف اسی وقت حرکت کرتا ہے جب کوئی بیرونی مؤثر اسے اپنی جگہ سے ہٹائے۔

SCIENTIFIC FORM OF KNOWLEDGE کی اس تمثیل پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کیا ہے؟

مذہب زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے اس لئے مذہب کا موضوع زندگی ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ زندگی کیا ہے۔ زندگی بالفعل اور بالقوہ کچھ چیز ہے۔ بالفعل کچھ چیز ہونے کی حیثیت سے اس کی ہستی ہے اور بالقوہ کچھ چیز ہونے کے اعتبار سے یہ مستقبل میں کچھ بن جانے کے امکان کے ساتھ تبدیل ہو رہی ہے اور اس حیثیت سے یہ عمل ہے، پیدائش ہے، تخلیق ہے اور ترقی ہے۔ بحیثیت عمل کے اسے اس حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے جس کی سمت یہ بڑھ رہی ہے اور عروج و زوال اور فنا کی مصداق ہے۔ بحیثیت پیدائش کے جو نتائج یہ پیدا کرتی ہے ان کے حوالے سے اس پر حکم لگایا جا سکتا ہے بحیثیت تخلیق کے اس کا جائزہ پیدائش میں جدت و ندرت کے خصائص کی بنا پر لیا جا سکتا ہے اور بحیثیت ترقی کے اس کی پیمائش اس پیمانے سے ہو سکتی ہے کہ یہ کس حد تک بہ تدریج اپنے مقصد سے قریب تر ہوتی جاتی ہے لہٰذا زندگی حرکت ہے اور حرکت اس وقت ممکن ہے جب جزواً ماحول کے ساتھ سازگاری اور مسلسل منصوبہ بندی جاری رہے اور ساز گاری اور منصوبہ بندی کشمکش اور تصادم سے دوچار ہوتی ہے جس میں کامیابی اور ناکامی مضمر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی ایک ایسی حرکت ہے جو کسی مقصد کی سمت میں بڑھ رہی ہے۔ یہ حرکت ابعاد مکانی و زمانی میں واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اپنے کردار میں تاریخی ہے اور بحیثیت عمل کے اس کا جائزہ حق و باطل کہہ کر اور بحیثیت حقیقت کے وجود و نمود کہہ کر لیا جاتا ہے۔

زندگی اپنی نیرنگی اضافات میں نجی اور عوامی بھی ہے ذہنی اور عملی بھی ہے جس کی صفات میں ایمان اور بصیرت داخل ہیں اور اس کے مختلف پہلو ہیں۔ مثلاً انفرادی، اخلاقی، عمرانی، معاشی، سیاسی، ثقافتی لہٰذا اس کے مضمرات میں عوام قوم اور ثقافت داخل ہیں۔ جن کی جدوجہد تاریخ میں واقع ہوتی ہے۔ جس میں بنیادی اور انتہائی حقیقی فضائل کی جانب اشارات پائے جاتے ہیں جن میں اصول اور معیار بھی مضمر ہیں۔

چونکہ فرد بغیر معاشرے کے وجود میں آ سکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے نہ ترقی کر سکتا ہے اس لیے معاشرہ ضروری ہے اور معاشرہ بغیر اخلاق اور معیشت کے ناممکن ہے اور اخلاقی صحت مندی اور معاشی عدل کے لیے روایت ضروری ہے۔ لہٰذا انفرادی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کے مختلف پہلو ہیں لہٰذا SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کے مسائل یہ ہیں کہ

وہ کونسا مقصود ہے جس کے حوالے سے مذہب زندگی عطا کرتا ہے وہ مقصود ایک ایسا معاشرہ ہے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔

اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو۔

جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں۔

لہٰذا مذہب کے سائنٹیفک علم کا مسئلہ یہ ہے کہ

افراد معاشرہ کیسے بن سکتے ہیں؟ اخلاقی جدوجہد کرنے والے کیسے بن سکتے ہیں؟

روحانی الذہن کیسے بن سکتے ہیں؟ فرد اور معاشرہ خوف و غم سے محفوظ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس مسئلے کو حل کرنے کا منہاج یا طریقہ کیا ہے؟

افراد کے معاشرہ بننے میں ان کی خودغرضی حائل ہے۔ جب تک خودغرضی موجود ہے افراد معاشرہ بن ہی نہیں سکتے اور خودغرضی سے دست بردار ہونا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ترک خودغرضی سے سب جائز مفادات پورے نہ ہونے لگیں۔ اولاً خودغرضی کا ترک کرنا اس وقت ممکن ہوگا جب ہر فرد کا محرک عمل اس معیار کے حوالے سے لا یومن احدکم حتّی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے) اخلاقی حکم کی پرخلوص تعمیل نہ بن جائے اور ثانیاً جب تک افراد میں یکساں کردار کی بنا پر عمرانی وحدت کا شعور پیدا نہیں ہوتا۔ افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ارکانِ اسلام یعنی اقرار توحید و رسالت صلوٰۃ، زکوٰۃ صوم اور حج کے ذریعہ یکسانی کردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کی جاتی ہے اور یہ یکسانیٔ کردار، عمرانی وحدت کے شعور کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ محرکِ عمل دو ہی ہو سکتے ہیں۔ (۱)۔ مفاد طلبی یا مطالبۂ حقوق اور (۲) ایتائے حقوق یعنی فرائض کی بجا آوری، جس معاشرے میں مطالبہ حقوق پر اصرار کیا جاتا ہے اس میں حقوق کا تصادم کبھی رفع نہیں ہو سکتا، کیونکہ حقوق طلب کرنے والا جس سے حقوق طلب کرتا ہے اُسے ظالم و غاصب سمجھتا ہے اور جس سے حقوق طلب کئے جاتے ہیں وہ حقوق طلب کرنے والے کو فساد انگیز اور بے نظامی پیدا کرنے والا سمجھتا ہے۔ اور حقوق کا تصادم کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ (1

۲۔ چونکہ اسلام ایک ہم آہنگ منظم اور منضبط معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے فرائض کی بجا آوری کے اصرار پہ معاشرہ پیدا کرتا ہے اور ان ہی افراد کو ارکان معاشرہ کی حیثیت سے قابل قبول سمجھتا ہے جو اخلاقی جدوجہد کرنے والے ہوں اور روحانی الذہن ہوں۔ اس لئے حق باطل کا تصادم افراد کو باور کراتا ہے کہ غلبۂ حق کی شرط اخلاقی فضائل سے متصف ہوتا ہے اور فضائل اخلاق پر اصرار یعنی اخلاقی مثال پرستی اور جو مؤثرات باطنی یقین کو مضمحل کرنے کا موجب ہیں۔ اُن کا ازالہ اپنی باطنی کیفیات کے تجزیہ سے ہو سکتا، بشرطیکہ خارجی مؤثرات پہلے رفع کئے جا سکے ہوں۔

صوفیانہ واردات کی احتیاج انسانی زندگی پیدا ہی اس لئے ہوتی ہے کہ علم اعتقاد اور عمل ہم آہنگ نہیں رہتے۔ لہذا صوفیانہ واردات کے حاصل کرنے اور تفویض کرنے کا طریقہ کیا ہو۔ یہی طریقہ SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE متصوّر ہوگا

طریقہ اس لحاظ سے متعین ہوگا کہ عقیدے علم اور عمل میں تضاد عقیدے اور علم کے درمیان تضاد سے پیدا ہوا ہے یا عقیدے اور عمل کے درمیان تضاد سے۔ بصورتِ اوّل مذہبی واردات کے ذریعہ تضاد کو رفع کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ وجدان کو ذریعۂ علم حقیقت مان کر بندے اور خدا کے درمیان نسبت کے ادراک سے جو واردات میسّر آئے اس کے تجزیے سے کتاب و سنت کو معیار مان کر جو رائے عقائد کے باب میں جو رائے قائم ہوا اس کے حوالے سے عقائد کے باب علمی قضیوں کی تصحیح کی جائے اور بصورتِ دوم عقیدے اور عمل میں جو تضاد تزکیہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے اس کی اصلاح تزکیۂ کے ذریعہ کی جائے۔ تزکیئے کی شرط یہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے لئے دوسروں کی زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کیا جائے اور معاشی نشوونما کی راہ کھولی جائے۔

(۱۸)

کیا سائنس فلسفے اور مذہب میں ہم آہنگی (سازگاری) پیدا کرنے سے وہ احتیاج پوری ہو سکتی، جو مذہبی علم کے علمی نظام سے پوری کرتی مقصود ہے؟

© rasailojaraid.com

ہم آہنگی سے یہ احتیاج صرف اس صورت میں پوری ہو سکتی تھی۔ جب کہ سائنس فلسفے اور مذہب کا مسئلہ

© rasailojaraid.com

تو ایک ہی ہوتا اور جوابات متضاد ہوتے۔ مگر مذہب کا مسئلہ تو ہے کہ زندگی اپنے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں میں نمونۂ کمال کے مطابق ڈھلے کیوں کر؟ اور سائنس کا مسئلہ یہ ہے کہ حقیقت اپنے طبیعی پہلو میں کیا ہے ؟ (طبیعات) حقیقت کے نامی پہلو کی ماہیئت کیا ہے ؟ (حیاتیات) اور حقیقت کے نفسی پہلو کی ماہیئت کیا ہے ؟ (نفسیات) اور فلسفے کا مسئلہ یہ ہے کہ حقیقت من حیث الکل کی ماہیئت اصلی کیا ہے ؟ (فلسفہ) اگر سائنس اور فلسفے کے مسائل کا صحیح ترین جواب حاصل ہو جائے تو بھی مذہب کا یہ مسئلہ کہ زندگی انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں میں نمونۂ کمال کے مطابق کیسے ڈھلے۔ اپنے حل کے لحاظ سے تشنۂ تکمیل ہی رہے گا۔ 17

(۱۹)

البتہ اس مسئلے کا حل کے ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدہ کی تجربی توثیق و شہادت کیسے میسّر آئے ؟" ایک مسئلہ ہے جو SCIENTIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE ہی سے حل ہو سکتا ہے۔ فلسفے سائنس اور مذہب میں سازگاری پیدا کرنے سے حل نہیں ہو سکتا۔

زندگی عبادت ہے یا مقصد عمل سے۔ اگر مقصود سے صرف نظر ہو جائے تو موت اور زندگی برابر ہو جاتی ہے۔ اور اجتماعی زندگی پر بھی بے مقصدی سے موت وارد ہوتی ہے۔ اگر حیات اجتماعی کے اندر ایسا مقصد عالی پیدا کر دیا جائے جو منظم جد و جہد اور منضبط کردار پیدا کر دے تو دوبارہ زندگی اسی طرح میسّر آ سکتی ہے۔ جیسے انفرادی زندگی مقصد کا شعور پیدا کر کے دوبارہ حرکت میں آجاتی ہے اور اپنی راہ کے موانع پر غالب آتی جاتی ہے۔

افراد خود غرضی میں مبتلا رہیں تو اجتماع نہیں بن سکتے۔ افراد کے اجتماع بننے کی شرط یہ ہے کہ خود غرضی سے نجات پائیں اور متحدہ مقصد کے حوالے سے یکسانی کردار اور عمرانی وحدت کا شعور پیدا کریں۔ وہ خود غرضی سے تب نکل سکتے ہیں جب ہر فرد فرض کی بجا آوری کو محرک عمل بنائے۔ فرض کو محرکِ عمل بنانے کی شرط ہے تزکیہ۔

تزکیہ میسر آئے تو فرض کی بجا آوری کا محرک عمل ہونا ممکن ہے۔ ہر فرض کے جواب میں ایک حق ہے۔ فرض عبادت ہے کسی حکم کے واجب التعمیل ہونے کے شعور کا۔ اور حق نام ہے کسی مفاد کے واجب التکمیل ہونے کے شعور کا اور حق اور فرض باہمدگر مربوط ہیں۔ جب حقوق کی ادائیگی پر اصرار محرک عمل ہو تو افراد معاشرہ بن جاتے ہیں۔ اس میں کامیابی کا انحصار جس طریق کا ہے اس کی نشاندہی سوال نمبر ۱۰ کے تحت مل جائے گی۔

(۲۰ - ۲۱)

SCIETIFIC FORM OF RELIGIOUS KNOWLEDGE کے تحت کلاسیکی طبیعات کے تصوّرات بیان کیے جا چکے ہیں۔ جدید طبیعات نے ان تصورات میں جو تبدیلی پیدا کی ہے اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ طبیعیاتی معقولات کا مفہوم کلاسیکی طبیعات میں عقل کے حوالے سے متعین ہوتا تھا۔ مثلاً یہ کہ اعراض کو مجتمع رکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے ایک اصول ضروری ہے۔ جسے جوہر SUBSTANCE سے تعبیر کیا گیا تھا۔ آئن سٹائین نے طبیعیات کے مقولات CATEGORIES کے معنی حیثیت کے اصول پر متعین کرنے کے نتیجے میں یہ تبدیلی پیدا کی کہ جوہر کو "سلسلۂ واقعات" SERIES OF EVENTS سے تعبیر کیا۔ اور علت و معلول CAUSE & EFFET جو عقل کے تصورات تھے انہیں حواس سے اخذ نہ ہوسکنے کی بناء پر رد کر دیا اور CAUSE کو "مقدم" ANTECEDENT اور معلول EFFECT کو "موخر" CONSEQUENT کہنے پر اصرار کیا۔ کیونکہ حواس سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے اس کا یہ نتیجہ تو ضرور ہوا کہ علم یقینی پر اصرار نہیں کیا جا سکتا۔ بے یقینی میں اضافہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ طبیعیات کے دو اور مقولوں CATEGORICES کے باب یہ کہنا کہ زمان و مکان SPACE AND TIME دو نہیں بلکہ زمان مکان SPACE TIME کہنا زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ کہ یہ دونوں اضافی ہیں۔ مگر یہ بات بھی محل نظر ہے زمان و مکان باہمدگر اضافی ہیں یا ناظر کے تعلق میں اضافی ہیں۔ دشواری یہ ہے مکان SPACE تو سہ ابعادی ہے اور اس کے ساتھ REVERSIBLE ہے۔ یعنی ہر طرف سے ابتدا کی جاسکتی ہے اور زمان غیر منقلب IRREVERSIBLE ہے یعنی سمت معکوس میں حرکت زمانی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے معنی صنعتی تہذیب کا سب سے بڑا کمال اس کی تیز رفتاری ہے اور یہ ابھی تک نیوٹن ہی کے تصورات زمان و مکان پر انسانی تصرف میں ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ جب زمان و مکان کی اضافیت ٹیکنالوجی میں سرایت کرے گی تو انجام کیا ہوگا۔

——(۲۲)——

اس میں شک نہیں کہ جوہری توانائی کی ریسرچ میں یہ طے پایا کہ مادہ قوت میں اور قوت مادے میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ مگر منفی اور مثبت قوت کے نظام سے بالاتر کوئی اخلاقی قانون نہ ہو، صرف مادے کی تغیر پذیری سے سائنس اور مذہب میں کوئی قابل توجہ ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی اور کسی اخلاقی یا الٰہی قانون کی جستجو طبیعیات کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اختلاف اس وقت رفع ہوسکے گا جب طبیعیات، حیاتیات، نفسیات کے مفروضات HYPOTHESE کے درمیان تضاد و تخالف رفع کرنے کے لئے ایک ایسا مابعد الطبیعی مفروضہ وضع کیا جاسکے۔ جس کے حوالے سے اور سب مفروضات یعنی میکانی علیت MECHANICAL CAUSATATION ارتقاء EVOLUTION اور نمائی علیت PURPOSIVE CAUSALITY کے تضاد و تخالف کو رفع کیا جاسکے۔

اس میں شک نہیں کہ فلسفے میں کوئی خیال حرف آخر نہیں ہوسکتا کیونکہ فلسفہ اور علوم اور اقدار کاملہ کے علاوہ باقی اقدار ارتقاء پذیر ہیں اور ان کے ارتقاء کی تکمیل کا رخ یہ ہے کہ وہ اقدار کاملہ اخلاق، مذہب اور پیغمبرانہ وحی کے علم کے ساتھ ہم آہنگی کی جانب نشوونما پائیں۔

© rasailojaraid.com